حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ

پہلے خلیفہ کیوں نہ ہوئے؟

ڈاکٹر محمد حمید اللہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرت علی المرتضیٰؓ (پہلے) خلیفہ کے عہدہ پر منتخب نہ کیے گئے۔ کیوں؟

مسلمانوں کے مابین ایک ہزار سال سے زائد عرصہ سے یہ اختلافی مسئلہ رہا ہے اور (مختلف) عقائد کا سوال بن چکا ہے۔ اس نے اختلافِ رائے اور تفریق پیدا کی ہے اور شیعہ، سنی کو تقسیم کیا ہے۔ میں اس بات کا بناوٹی دعویٰ نہیں کرتا کہ میں (مختلف فرقوں کے مابین) مصالحت کرا سکتا ہوں۔ میں حتیٰ کہ یہاں اس بحث کا آغاز بھی نہیں کرنا چاہتا کیونکہ اس کا تعلق نبی آخر الزماں حضرت محمد ﷺ کی سوانح حیات سے نہیں۔ تاہم چند تاریخی حقائق کو واضح کیا جا سکتا ہے۔

الجاحظ (مشہور عربی ادیب) نہ تو سنی تھا اور نہ ہی شیعہ بلکہ معتزلی (مسلمانوں کا ایک فرقہ جو اس بات کا قائل ہے کہ رب تعالیٰ کو دنیا و آخرت میں دیکھنا ممکن نہیں) تھا۔ وہ حتیٰ کہ عالمِ دین بھی نہیں تھا بلکہ ایک ادیب و لکھاری تھا۔ اس کی آراء مسلمانوں کے لیے کوئی قانون کی حیثیت نہیں رکھتیں تاہم اس نے اپنی کتاب "رسالہ عثمانیہ" (جس کا ایک لاثانی قلمی نسخہ استنبول کی ایک لائبریری میں موجود ہے اور اب چھپ چکا ہے) میں ایک نکتہ اٹھایا ہے جس نے مجھے غور و فکر کے لیے مواد فراہم کیا ہے۔

وہ کہتا ہے کہ شیر خدا حضرت علی المرتضیٰؓ ایک بہت بڑے جنگجو اور میدانِ جنگ کے شہسوار تھے۔ انہوں نے سپہ سالارِ اعظم حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کی سربراہی میں لڑی جانے والی جنگوں میں مکہ مکرمہ کے انتہائی مشہور و معتبر افراد کو

قتل کیا تھا۔ ان افراد کی اولادیں مشرف بہ اسلام ہو چکی تھیں لیکن انسان ہونے کے حوالے سے (یعنی جذبات واحساسات رکھنے کی وجہ سے) وہ نہیں بھولے تھے کہ یہ حضرت علیؓ المرتضیٰ ہی تھے جنہوں نے ان کے والدین کو قتل کیا تھا۔ چنانچہ الجاحظ کے خیال میں وہ لوگ حضرت علی المرتضیٰؓ کو خلیفہ بنانے میں زیادہ پرجوش وسرگرم نہیں تھے۔ یہ رائے عمدہ ہے مگر میرے خیال میں یہ اتنی زیادہ متعلقہ نہیں کیونکہ یہ مسلم نوجوان نہیں تھے جنہوں نے سرورِ کائنات ﷺ کے وصال کے بعد خلافت کے معاملے کا فیصلہ کیا تھا بلکہ یہ بڑے تجربہ کار بزرگوں کا فیصلہ تھا۔

دراصل یہاں وراثت کے مسئلہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ حکومت کوئی ایسی جائیداد نہیں کہ جو وارثوں کو منتقل کی جائے۔ اگر ایسا ہوتا بھی تو اس کے باوجود آنحضور ﷺ فرما چکے تھے کہ "ہم پیغمبروں کی کوئی ایسی جائیداد (ترکہ) نہیں ہوتی کہ جسے وراثت کے طور پر تقسیم کیا جائے۔ جو کچھ ہم چھوڑتے ہیں وہ حکومت کی ملکیت ہوتا ہے (صدقہ)" اگر کوئی شخص اس (فرمان) کو ان معنوں میں نہ لے اور یہ کہے کہ اس کا سیاق وسباق مختلف تھا تو پھر بھی یہ واضح ہے کہ اسلامی قانون وراثت کے مطابق قریب ترین رشتہ دار کو حق وراثت میں دُور کے رشتہ دار پر فوقیت حاصل ہے اور اس بات پر ہر شخص متفق ہے کہ چچا کے بیٹے کی نسبت بذاتِ خود چچا زیادہ قریبی رشتہ دار ہوتا ہے۔ سرور کائنات حضرت محمد ﷺ کے چچا العباسؓ اس وقت زندہ تھے۔ مزید یہ کہ صرف حضرت علی المرتضیٰؓ ہی چچا زاد نہیں تھے بلکہ آنحضور ﷺ کے دوسرے چچا زاد بھی وہاں موجود تھے اور حکومت کسی صورت بھی کئی وارثوں میں تقسیم نہیں کی جا سکتی تھی۔ وراثت بیٹیوں کو بھی ملتی ہے اور بیٹی حضرت فاطمۃ الزہراؓ وہاں موجود تھیں۔ یہ ثابت نہیں ہے کہ عورت کسی سلطنت کی حکمران نہیں بن سکتی کیونکہ قرآن الحکیم ملک سبا کی ملکہ بلقیس کے بارے میں بیان کرتا ہے اور تصدیق کرتا ہے کہ اس نے پیغمبر حضرت سلیمانؑ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا تھا۔ چنانچہ بہتر یہی ہے کہ وراثت کی بنیاد پر حضرت علی المرتضیٰؓ کے حق (خلافت) پر گفتگو نہ ہی کی جائے۔

نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کی وصیت کی تصدیق کے لیے ثبوت کی ضرورت ہے۔ آپ ﷺ کی وصیت کسی بھی مسلمان کی بدگمانی دور کر دے گی۔ کیا آپ ﷺ نے واقعی انہی معنی و مفہوم میں وصیت کی تھی؟ مجھے درج ذیل حقیقت کی بنا پر یقین کرنے میں ہچکچاہٹ محسوس ہوتی ہے۔

حضرت علی المرتضیٰؓ نے بذاتِ خود اس (وصیت) کا حوالہ کیوں نہ دیا؟ اس امر کو تو تسلیم کیا جاسکتا ہے کہ حضرت علی المرتضیٰؓ کی نظروں میں خلافت کا حصول غیر اہم بات تھی چنانچہ جب حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ اور پھر حضرت عثمان غنیؓ کا (بطور خلیفہ) انتخاب ہوا تو حضرت علی المرتضیٰؓ نے ذاتی قربانی دی اور کوئی اعتراض نہ کیا مگر بعد ازاں حضرت معاویہؓ کے ساتھ خط و کتابت میں وہ کیوں خاموش رہے؟ انہوں نے حضرت معاویہؓ کے دعویٰ کو تسلیم نہیں کیا یہاں تک کہ ان کے خلاف ہتھیار اٹھانے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کی۔ شیعوں کی کتابوں میں مثال کے طور پر "نحج البلاغہ" میں حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے مابین خلافت کے معاملے پر دعویٰ اور جواب دعویٰ کی خط و کتابت کا ریکارڈ موجود ہے۔ حضرت علی المرتضیٰؓ دلیل دیتے ہیں کہ آپؓ رسول مکرم ﷺ کے خاندان میں سے ہیں۔ ظاہراً یہ وراثت کا حوالہ ہے مگر اس خط و کتابت میں ایک لفظ بھی ایسا نہیں جس سے اس بات کا اقرار و دعویٰ ہو کہ سرورِ کونین حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ نے ان کے حق میں کوئی وصیت کی تھی۔

میری منکسرانہ اور عاجزانہ رائے میں خلافت کے سوال کے حوالے سے مسلمانوں کو مزید تفریق و تقسیم کا شکار نہیں ہونا چاہیئے کیونکہ نہ تو حضرت علی المرتضیٰؓ، نہ ہی حضرت ابو بکر صدیقؓ اور نہ ہی حضرت معاویہؓ اب بقیدِ حیات ہیں۔ ان سب کا معاملہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے سپرد ہے۔ یہ عملی سیاست کا معاملہ نہیں ہے کہ اس پر بحث کی جائے اور پھر اس پر اختلاف کیا جائے کہ آیا حضرت علی المرتضیٰؓ کو سیاسی قوت و طاقت کے حوالے سے آنحضور ﷺ کا پہلا اور فوری جانشین ہونے کا حق تھا یا نہیں!

ذاتی طور پر میرا خیال ہے کہ اس معاملے میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے نبی مکرم حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کی عزیز ترین خواہشات کو حیرت انگیز طور پر پورا کیا۔

پیغمبرِ اسلام حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ بر سرِ عام اعلان فرمایا کرتے تھے "ہم ان لوگوں کو حکومتی عہدے نہیں دیتے جو اشتیاق کے ساتھ اس کے متلاشی ہوتے ہیں"۔ یہ ضروری تھا کہ جو افراد سرورِ کونین ﷺ کے بہت قریبی ہوں اور گہرے دوست ہوں ان پر اس قسم کی خواہش کا الزام نہ آئے۔ ہم جانتے ہیں کہ کس نے خلافت کی خواہش کی اور کس نے نہیں! حضرت ابو بکر صدیقؓ پر خلافے کی کم ترین درجے کی خواہش کا الزام لگایا جا سکتا ہے (یعنی انہیں اس کی خواہش بالکل نہیں تھی)۔

پیغمبرِ انسانیت ﷺ نے تمام قوموں اور نسلوں کی مکمل مساوات کا اعلان بھی کیا تھا اور صرف ایک برتری جس کو آپ ﷺ نے تسلیم کیا وہ خوفِ خدا کی بنیاد پر انفرادی تقویٰ اور پرہیز گاری تھی۔ آنحضور ﷺ کے قریبی رشتہ دار کا (بطور خلیفہ) انتخاب (چاہے وہ رشتہ دار کتنا ہی پرہیز گار اور عہدہ کے کس قدر اہل کیوں نہ ہو) آپ ﷺ کے اس اصول سے سمجھوتہ سمجھا جاتا اور اس سے ایک نئی روایت قائم ہوتی اور شاہی سلسلہ (ایک ہی خاندان کے افراد کی یکے بعد دیگرے حکومت) پیدا ہوتا۔ آیئے ہم یاد کریں کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کا تعلق قبیلہ بنو تمیم سے تھا جو کہ قریش کی ایک شاخ تھی اور قبل از اسلام سب سے زیادہ حقیر سمجھی جاتی تھی کیونکہ یہ لوگ مشہور سردار قصیؓ کی بھی اولاد یا نسل سے نہیں تھے۔ ایک شاعر نے طنزاً اور مذاقاً کہا تھا:

> "عوامی اور حکومتی معاملات کا اس وقت فیصلہ کیا جاتا ہے جب قبیلہ تیم کے افراد حاضر نہیں ہوتے اور حتیٰ کہ جب وہ حاضر ہوتے ہیں تو کوئی بھی ان سے مشورہ نہیں کرتا۔"

اسلام میں شجرۂ نسب کے حوالے و اہمیت کے بغیر کسی شخص کی ذاتی و انفرادی صلاحیتوں کی عظمت کے اعتراف نے بعد ازاں آزاد شدہ غلاموں کو بھی کسی ہچکچاہٹ کے بغیر بطور حکمران قبول کرنے کا راستہ کھول دیا۔

پچیس (25) مواقع پر جبکہ سرورِ کائنات حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کسی مہم پر مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے تو ہمیشہ آپ ﷺ نے مدینہ منورہ اپنا نائب نامزد کیا جسے مؤرخین نے "خلیفہ" کہا ہے لیکن آپ ﷺ نے ہر دفعہ ایک ہی فرد کو نامزد نہیں کیا تاکہ یہ تاثر نہ لیا جائے کہ یہ حکومت کی دوسری بڑی شخصیت ہے، ظاہری یا حقیقی وارث ہے یا ولی عہد ہے۔ ان افراد میں نہ صرف مکی تھے بلکہ مدنی بھی تھے۔ قبیلہ کنانہ سے تعلق رکھنے والے بھی تھے اور کئی مرتبہ حتیٰ کہ بصارت سے محروم فرد بھی جیسا کہ حجۃ الوداع کے موقع پر مدینہ منورہ سے اپنی آخری غیر موجودگی کے وقت آپ ﷺ نے ایسی تازہ ترین مثال قائم کی۔

ہم آنحضور ﷺ کے اکثر حوالہ دیئے جانے والے فرمان کے سیاق و سباق سے لاعلم ہیں جس میں کہا گیا ہے کہ "امام (سربراہان مملکت) قریش سے ہیں"۔ میں بذاتِ خود اس بات پر یقین کرنے کی وجوہات رکھتا ہوں کہ یہ آنحضور ﷺ کی ایک پیش گوئی تھی لیکن حکم نہیں تھا۔ درحقیقت اس فرمان کو میں نے حدیث میں پایا ہے جہاں سرورِ کونین حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ نے یہ پیش گوئی کی ہے کہ کئی خلفاء ہوں گے اور سب قریشی منبع اور اصل رکھنے والے ہوں گے۔ مزید یہ کہ خلیفہ حضرت عمر فاروقؓ بعد ازاں پریشان ہوئے کہ کس کو اپنا جانشین نامزد کریں اور کہا کرتے تھے کہ "اگر حضرت حذیفہؓ کے آزاد کردہ غلام حضرت سالم زندہ ہوتے تو میں کسی ہچکچاہٹ کے بغیر انہیں اپنا جانشین منتخب کرلیتا۔ اور یہ حضرت سالم قریشی نہیں تھے۔ حتیٰ کہ عربی بھی نہیں تھے کیونکہ سوانح نگار ابن عبدالبر کی کتاب "الاستیعاب" کے مطابق وہ ایرانی النسل تھے اور ان کا تعلق فارس کے قلعہ اور دارالسلطنت اصطخر سے تھا۔

جب میں پرائمری اسکول میں پڑھتا تھا تو وہاں میرے ایک استاد نے ہمیں کلاس میں ایک ایسی بات بتائی تھی جو اس وقت سے میرے لیے غور و فکر کا باعث بنی رہی ہے۔ انہوں نے کہا تھا:

> "آنحضور ﷺ کے صحیح تربیت یافتہ چاروں خلفاء راشدین میں سے حضرت علی المرتضیٰؓ سب سے کم عمر تھے۔ اگر وہ شروع ہی میں پہلے خلیفہ منتخب کر لیے جاتے تو ہم حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ اور

حضرت عثمانؓ کی ذاتی خوبیوں اور صلاحیتوں کے استفادہ سے محروم رہ جاتے کیونکہ وہ اپنی اپنی خلافت شروع ہونے سے پہلے حضرت علی المرتضیٰؓ کے دورِ خلافت میں ہی وفات پا چکے ہوتے اور یہ رب تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوا ہے کہ ہم نے ان سب کی قابلیتوں اور صلاحیتوں سے فائدہ حاصل کیا ہے۔"

آخر میں ایک اور وجہ جس سے ہر مسلمان چاہے وہ سنی ہو یا شیعہ اتفاق کرے گا کہ یہ دنیا وقتی اور فانی ہے اور ہمیشہ رہنے والی دنیا یعنی آخرت (عالم بقا) دونوں دنیاؤں میں سے زیادہ اہم ہے۔ دنیاوی و زمانی اور سیاسی معاملات کا تعلق اس جہان سے ہے جبکہ روحانی معاملات کا تعلق آخرت سے ہے۔ پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے تمام انسانی معاملات اپنے ہاتھوں میں رکھے، چاہے وہ دنیاوی و زمانی تھے یا دینی و روحانی تھے۔ آپ ﷺ کے عالم بقا کی جانب تشریف لے جانے کے بعد مسلمان قومیت نے انہیں دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ (1) بیرونی حصہ (2) اندرونی حصہ

بیرونی حصہ میں نہ صرف سیاست بلکہ بیرونی دینی عبادات و اعمال نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کو بھی شامل کیا گیا۔ اندرونی حصہ میں تمام روحانی معاملات کو جمع کر دیا گیا جنہیں ہم عام طور پر تصوف کے نام کے تحت لاتے ہیں۔

نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ کے ان دونوں حصوں کے لیے الگ الگ جانشین ہیں اور دونوں کو خلیفہ کہا جاتا ہے۔ اس تخصیص کے ساتھ بیرونی حصہ کے لیے ایک ہی وقت میں ایک سے زائد خلیفہ کو کوئی بھی برداشت نہیں کر سکتا (اور ہم دیکھ چکے ہیں کہ انصارِ مدینہ کی یہ تجویز کہ دو امیر (خلیفہ) بنا دیے جائیں آغاز ہی میں فوراً رد کر دی گئی) جبکہ جہاں تک اندرونی (روحانی) حصہ کا تعلق ہے سرورِ کونین حضرت محمد ﷺ کے قریبی خلفاء کی تعداد کی کوئی حد نہیں کیونکہ اس (روحانی) سلطنت میں حسد نام کی کوئی چیز نہیں ہوتی۔

در حقیقت روحانی سلطنت و حکومت میں آنحضور ﷺ کے ساتھیوں میں سے بے شمار افراد خلیفہ رہے ہیں۔ کون نہیں جانتا کہ نقشبندیہ (سلسلہ) کے حضرت ابو بکر صدیقؓ روحانی خلیفہ تھے جبکہ قادریہ یا سہروردی (سلسلہ) کے روحانی خلیفہ حضرت علی المرتضیٰؓ تھے۔ حتیٰ کہ ایک ہی علاقہ و شہر میں بیک وقت دونوں بھی خلیفہ تھے۔ اس بات کی اجازت دی

گئی کہ ایک مسلمان دونوں سے (اور کئی سے) بیک وقت اطاعت و تعلق قائم کر سکتا ہے۔ یہ آجکل عام بات ہے کہ ایک شخص نقشبندیہ اور سہروردیہ دونوں سلسلوں سے بیک وقت منسلک ہوتا ہے۔ سنی اور شیعہ دونوں اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں۔ باقی سب کچھ میرے نزدیک لفظوں کو مختلف معانی و مفاہیم دینے کے لیے دلیلیں ہیں۔ رب رحمٰن و رحیم ہماری رہنمائی اور حفاظت فرمائیں!

